بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اب ہم مختصراً دعوتِ حق کے موافقین کی خصوصیات و صفات پر روشنی ڈالیں گے۔

۱- دعوتِ حق کے موافقین میں سب سے اونچا درجہ سابقین اولین کا ہے۔ سابقین اولین سے مراد وہ گروہ ہے جو کسی دعوتِ حق کے بلند ہوتے ہی اس کو لبیک کہتا ہے۔ اور بے جھجک اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ ان سلیم الفطرت لوگوں کی جماعت ہوتی ہے جو دعوت سے پہلے بھی اپنے اندر وہی کچھ محسوس کرتے ہیں جس کی دعوت ایک داعی حق دیتا ہے۔ یہ عقلی اعتبار سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ صرف دنیا کے ظاہر پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس کے باطن کے اشارات کو بھی دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور ان کی نگاہ میں حقیقی قدر ان باطنی حقائق ہی کی ہوتی ہے نہ کہ ظواہر کی۔ یہ حیوانوں کی طرح مجرد خواہشوں کے بندے نہیں ہوتے بلکہ عقل اور فطرت کے تقاضوں کو جانتے ہیں اور زندگی کے تمام مرحلوں میں انہی کو مقدم رکھتے ہیں۔ ان کی عقل اتنی قوی اور فعّال ہوتی ہے کہ وہ باپ دادا کے رسوم اور پرانی روایات کی زنجیروں میں بندھ کر بے بس ہونا کبھی پسند نہیں کرتی۔ یہ ہر بات کے حسن و قبح کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں، اس کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، اس کے غث و سمین میں امتیاز کرتے ہیں، اور اس میں سے جس چیز کو عقل و فطرت کے مطابق پاتے ہیں اسی کو قبول کرتے ہیں۔ گروہی عصبیتوں اور جماعتی تعصبات کے بندھنوں سے یہ آزاد ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک نہ سچائی کسی شخص کے دامنوں سے بندھی ہوئی ہوتی، نہ کسی خاص حلقہ اور گروہ کے اندر محصور ہوتی اور نہ وہ جائداد کی طرح وراثت میں منتقل ہوتی۔ یہ کسی بات کو حق ماننے کے لیے عقل و فطرت کی تصدیق کافی سمجھتے ہیں، اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ کون اس کا مخالف ہے اور کون اس کے موافق ہے۔ یہ نہ ماضی کے مرید ہوتے نہ حاضر کے بندے، نہ اللہ کے رسولوں کے سوا کسی بڑے سے بڑے

مقتدا اور پیشوا کو یہ درجہ دیتے کہ وہ بجائے خود ایک حجت اور سند بن جائے۔

اسی طرح یہ لوگ اخلاقی اور عملی اعتبار سے بھی بہت بلند ہوتے ہیں۔ ان کی عقل جس چیز کا حق ہونا ان پر واضح کر دیتی ہے ان کی اخلاقی جرأت ان کو آمادہ کرتی ہے کہ اس حق کو قبول کریں اور اس کے لیے ہر خطرہ کو گوارا کریں۔ حق کی حمایت کے لیے یہ لوگ نہایت ذکی الحس ہوتے ہیں۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ حق کو مظلومیت کی حالت میں دیکھیں اور اس کے لیے ان کا دل دردمند نہ ہو۔ یہ اپنے زمانہ کے ہر اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے لپکتے ہیں جس میں ان کو اجتماعی فلاح کا کوئی پہلو نظر آئے۔ ان کی غیرت اس بات کو کبھی گوارا نہیں کرتی کہ حق کی خدمت کا کوئی کام ہو رہا ہو، دوسرے اس کے لیے زحمتیں اور مصیبتیں جھیل رہے ہوں، جان و مال کی قربانیاں پیش کر رہے ہوں اور وہ محض ایک خاموش تماشائی کی طرح اس کو دیکھ کر گذر جائیں یا محض دور سے دو حرف تحسین و آفرین کے کہہ کے اس پر قانع ہو جائیں۔ بلکہ یہ اس کو برپا کرنے کے لیے خود اٹھتے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لیے سبقت کرتے ہیں۔ یہ برے سے برے ماحول کے اندر اچھی اور با اخلاق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنے زمانہ کی جاہلیت سے برابر کشمکش کرتے رہتے ہیں۔ جہاں سب کے ہاتھ ظلم اور ناانصافی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں وہاں یہ عدل و انصاف کے کام کرتے ہیں، جہاں یتیموں کا حق مارا جاتا ہے، جہاں لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی ہیں، جہاں بیواؤں کو بے یار و مددگار چھوڑا جاتا ہے وہاں یہ یتیموں کا حق دیتے ہیں، ظالم باپوں کی بیٹیوں کی اپنے خرچ پر پرورش کرتے ہیں، بیواؤں کی خدمت کرتے ہیں۔ جہاں سب جوئے، شراب، زنا، رہزنی اور غارتگری کو ہنر سمجھتے اور ان پر فخر کرتے ہیں وہاں یہ فیاضی، خدمت خلق، مہمان نوازی، غربا پروری، حمایت مظلوم اور دوسرے مکارم اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان میں استکبار کی جگہ تواضع اور حق پسندی کا جذبہ ہوتا ہے، حسد کی جگہ راہ حق میں تنافس اور رقابت کا ولولہ ہوتا ہے، خود غرضی اور مفاد پرستی کے بجائے ایثار اور خدمت خلق کا جوش ہوتا ہے۔ یہ اس بات کو بڑی دناءت کی بات سمجھتے ہیں کہ آدمی ایک نظام کو حق مانتے ہوئے اس کی حمایت سے محض اس وجہ

بچ جائے کہ اس کا ساتھ دینے میں دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اس بات کو بھی نہایت رذالت کی بات سمجھتے ہیں کہ آدمی ایک چیز کو باطل تسلیم کر رہا ہو لیکن اس کے ساتھ محض اس وجہ سے چمٹا ہوا ہے کہ اس باطل سے اس کا دنیوی مفاد وابستہ ہے۔ ان کی مردانہ غیرت پر یہ چیز بڑی شاق گذرتی ہے کہ ایک امر حق کا ساتھ محض اس وجہ سے نہ دیا جائے کہ اس کی وجہ سے کوئی خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے، یا یہ کہ باطل بڑا طاقتور ہے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، یا زمانہ کے حالات بہت ناساز گار ہیں اور ان حالات میں حق کا نام لینا خطرات و مصائب کو دعوت دینا ہے۔ اس طرح کے وسوسے ان کے غیور اور باہمت دل میں اول تو پیدا نہیں ہوتے اور اگر پیدا ہوتے ہیں تو ان کی بلند ہمتی جلد ان کو دور کر کے از سر نو اس کام کے لیے ان کو آمادہ کر دیتی ہے جس کی پکار ان کے دل کی گہرائیوں سے اٹھتی رہتی ہے۔

اس طرح کا ایک پاکیزہ گروہ ہر عہد کی جاہلیت کے اندر موجود رہتا ہے۔ برسات کی اندھیری راتوں میں جس طرح جگنو چمکتے ہیں اسی طرح اپنے زمانہ کی عام ظلمت کے اندر یہ لوگ چمکتے ہیں اور ان کے دم سے ان کے زمانہ میں روشنی کی ایک نمود باقی رہتی ہے۔ لیکن ان کی قوتیں منتشر ہوتی ہیں، ان کو منظم کرنے اور ایک وحدت میں پرونے کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی بندۂ حق اٹھے اور ان سب کو ایک نقطہ پر مجتمع کر دے۔ اپنی ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود یہ دو وجہوں سے ایک داعی حق کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ ان کے زمانہ میں حق اپنی مجموعی شکل میں موجود ہی نہیں ہوتا صرف اس کے کچھ اجزا ہوتے ہیں جیسا کہ انبیاء کے فترہ کے زمانہ میں ہوتا ہے۔ ایسے زمانوں میں صالحین کا یہ گروہ ایک درماندگی اور پریشانی کی حالت میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ لوگ دنیا کی عام خرابی کو دیکھ کر اس سے کڑھتے تو ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس خرابی کی اصلاح کس طرح کریں۔ یہ اپنے زمانہ کی برائیوں سے حتی الامکان اپنے آپ کو تو الگ کر لیتے ہیں لیکن نیکی اور سعادت کی شاہراہ خود ان کے سامنے بھی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ دوسروں کو اس پر چلنے کی دعوت دے سکیں۔ یہ محسوس تو کرتے ہیں کہ بندگی اور اطاعت

کا تنہا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس کی بندگی اور اطاعت کا طریقہ نہ انھیں خود معلوم ہوتا اور نہ اس کے معلوم کرنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ ہی ہوتا۔ اسی گروہ کے افراد تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قریش کے دین جاہلیت سے بیزار ہو کر اپنے اپنے طور پر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور خانہ کعبہ کی دیواروں سے لگ کر نہایت حسرت سے کہا کرتے تھے کہ "اے خدا ہمیں نہیں معلوم کہ تیری عبادت کا طریقہ کیا ہے، ورنہ ہم اسی طرح تیری عبادت کرتے۔" ان لوگوں کے اندر بعض بلند پایہ شاعر تھے جن کا رنگِ شاعری ان کے زمانہ کی عام اوباشانہ شاعری سے اس قدر الگ تھا کہ خود نبی کریمؐ نے ان کے اشعار سن کر تعریف فرمائی کہ "یہ شخص مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔" ان میں بعض بلند رتبہ خطیب تھے جن کے خطبات آج بھی موجود ہیں اور ان کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ انھوں نے حقیقت کے دروازہ پر دستک ضرور دیدی تھی اگرچہ اس دروازہ کو کھول نہ سکے۔ ان میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید بن عمرو بن نفیل جیسے جری لوگ تھے جو علی الاعلان کہتے تھے کہ "یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے۔ نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے۔ نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔" یہ لوگ حق کے متلاشی تھے لیکن ان کے زمانہ میں پورا حق موجود ہی نہیں تھا اس وجہ سے یہ محتاج تھے کہ کوئی حق کا بتانے والا آئے اور ان کی بند راہیں کھول دے۔ چنانچہ جونہی آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت حق بلند کی اس طرح کے تمام متلاشیان حق، جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے، آپ کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ یہ حق کی لذت سے آشنا تھے اس وجہ سے حق کے پہچاننے میں ان کو کوئی زحمت پیش نہیں آئی۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اپنے دل کی بات معلوم ہوئی۔ یہ ایک راستباز اور کذاب میں آسانی سے امتیاز کر سکتے تھے اس وجہ سے آپ کی پاکیزہ سیرت کو دیکھنے کے بعد ان کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ شخص جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ وہ آپ کی آواز اور آپ کے چہرہ سے آپ کی نبوت کو پہچان گئے اور پکار اٹھے:۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (۱۹۳ - آل عمران)

اے ہمارے پروردگار، ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا وہ ایمان کی دعوت دے رہا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔

چونکہ یہ لوگ اس حق کے لئے منتظر اور چشم براہ تھے اس وجہ سے اس کو پاکر انھوں نے بحثیں اور حجتیں نہیں کھڑی کیں بلکہ اس کو دیکھکر ان کے دلوں کا وہی حال ہوا جو اپنے کسی گم گشتہ عزیز کو مدتوں کے بعد پاکر کسی شخص کا ہوتا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ

(۸۳ - المائدہ)

جب وہ سنتے ہیں اس چیز کو جو رسول کی طرف اتاری گئی ہے تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں اس حق کی وجہ سے جس کو وہ پہچان چکے ہوتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو ہم کو حق کا اظہار کرنے والوں میں لکھ۔

ان کے انتشار اور بے نظمی کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ حق تو ان کے سامنے موجود ہوتا ہے، وہ اس کے مطالبات اور ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لیے کسی نبی کی بعثت اور کسی کتاب کے اتارے جانے کے محتاج نہیں ہوتے لیکن ان کی رہنمائی کے لیے کوئی ایسا لیڈر موجود نہیں ہوتا جو ان کی پراگندہ قوتوں کو ایک راہ پر لگا دے۔ ایک بگڑے ہوئے ماحول کے اندر جبکہ جاہلیت رات کی عالمگیر تاریکی کی طرح چھا چکی ہو، یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ راہ حق یہ ہے، ہر شخص کی ہمت نہیں ہے کہ وہ قافلوں کی رہنمائی اور قوموں کی رہبری کی ذمہ داری لینے کے لیے از خود پیشقدمی کرے۔ لیڈری اور امامت کے دلدادہ تو بے شک اندھے ہونے کے باوجود دوسروں کو راہ دکھانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں لیکن صالحین، جو قیادت و امامت کے خیر اور شر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، حتی الامکان یہی کوشش کرتے ہیں کہ اس کار عظیم کی ذمہ داریوں سے اپنے تئیں بچائے جائیں۔ وہ اپنی خدا ترسی اور احساس ذمہ داری کی وجہ سے اول تو اپنے آپ کو تولنے میں نہایت منصف ہوتے ہیں اور اگر اس تول میں کوئی غلطی کرتے بھی ہیں تو وہ غلطی بھی اس طرح کی نہیں ہوتی کہ اپنے ہی پلڑے کو جھکا ہوا رکھنے کی کوشش کریں بلکہ اس کے برعکس غایت احتیاط کے باعث اپنا اندازہ وہ اپنی حیثیت سے کم ہی کرتے ہیں۔ اپنا اندازہ اپنی حیثیت سے

گھٹا کر کرنا احتیاط اور تقویٰ کا ایک لازمی تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، نااہل اور ناکارہ اشخاص امارت وسیادت کے جتنے خواہشمند ہوتے ہیں، اہل اور لائق اشخاص اسی قدر اس سے خائف اور ترساں ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ میں سے ہر ایک نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں جس طرح اپنے آپ کو ذمہ داری سے بچانے کی کوشش کی اس کی تفصیلات ہمارے سامنے ہیں اور خلافت راشدہ کے بعد کے زمانوں میں اسی چیز کے لیے نااہلوں اور بوالہوسوں نے جس طرح ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرائیاں اور خونریزیاں کیں وہ بھی ہمارے علم میں ہیں۔ یہ واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ جن لوگوں کے اندر خدا ترسی ہوتی ہے وہ حتی الوسع کوشش یہی کرتے ہیں کہ آگے چلنے کی ذمہ داری کوئی دوسرا اٹھائے۔ یہ احساس فی نفسہ نہایت مبارک ہے لیکن اس کی ایک خاص حد ہے جس سے اگر وہ آگے بڑھ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صالحین پر انفرادی نیکی کا تصور غالب آجاتا ہے اور اقامت حق کے لیے کوئی اجتماعی جدوجہد برپا کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال کو خدا کے وہ بندے گوارا نہیں کر سکتے جو اجتماعی جدوجہد کے فرض کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کی انفرادی نیکیوں اور پراگندہ اور مبہم کوششوں سے دین حق کے مطالبات پورے نہیں ہو سکتے۔ یہ احساس جب کسی شخص پر اتنا غالب ہو جاتا ہے کہ وہ اس احساس کو مغلوب نہیں کر سکتا تو وہ اللہ کا نام لے کر خود اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اقامت دین کی جدوجہد کے لیے اذان دیدیتا ہے۔

یہ اذان ان سارے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے جو نماز باجماعت کے لیے پہلے سے منتظر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس سے اس بات پر جھگڑا نہیں کرتے کہ تو نے اذان کیوں دیدی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اذان کا وقت کب کا ہو چکا ہے۔ وہ اس بات پر حسد سے جلتے بھی نہیں کہ یہ کام اسی نے کیوں کیا انھوں نے کیوں نہ کیا، بلکہ اس کے شکرگذار ہوتے ہیں کہ اس نے وہ کام کر دیا جس کے انتظار میں وہ صرف بستروں پر کروٹیں بدلتے رہے تھے اور خود اٹھنے کی ہمت نہ کر سکے۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ یہ کوئی کامل العیار متقی اور شب زندہ دار زاہد ہے یا نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تمام زاہدانِ شب زندہ دار اور متقیانِ

کامل العیار سوتے رہے اور وقت کا فرض پہچاننے کی توفیق اسی کو ہوئی۔ وہ اس امر پر بھی نہیں غور کرتے کہ اس نے جس طرح آج کا کام کر دیا ہے کل کا کام بھی کر سکے گا یا نہیں بلکہ توقع رکھتے ہیں کہ جس طرح اس نے آج کا کام انجام دیا ہے اسی طرح کل کے کام کی تکمیل کی بھی توفیق پائے گا اور اگر نہیں پائے گا تو اللہ تعالٰی کل کے کاموں کے لیے کسی اور بندے کو اٹھائے گا۔ وہ کس گروہ سے ہے؟ کس درسگاہ کا فاضل ہے؟ اس کا ماضی کیا رہا ہے؟ یہ سارے سوالات ان کے نزدیک خارج از بحث ہیں، اس لیے کہ حقیقت گروہوں اور درسگاہوں کی جائداد نہیں ہے اور جو حاضر کے فرض کو پہچان گئے ہیں ان کے پاس ماضی کے بکھیے ادھیڑنے کی فرصت نہیں۔ اس طرح کے صاف ذہن رکھنے والے لوگ، جو پہلے سے اعلاء کلمۂ حق کا داعیہ رکھتے ہیں، وہ وقت کی اس دعوت میں اپنے درد کی دوا اور اپنی خلش کی شفا پاتے ہیں اس وجہ سے فوراً اس کو قبول کر لیتے ہیں اور اس کو کامیاب بنانے کی جد و جہد میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔

اس گروہ میں ہر طبقہ کے افراد ہوتے ہیں۔ امیر بھی اور غریب بھی، جاہل بھی اور عالم بھی، شہری بھی اور دیہاتی بھی، نوجوان بھی اور بوڑھے بھی، عورتیں بھی اور مرد بھی لیکن ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جو اخلاق کے اعتبار سے کبھی پست رہا ہو۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر اپنے اوصاف کے لحاظ سے پہلے سے ممتاز اور اپنے حلقہ میں دوسروں کا اعتماد حاصل کیے ہوئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جمع کرنے کے لیے داعی کو کوئی بڑی جد و جہد نہیں کرنی پڑتی بلکہ یہ ہر گوشہ سے خود کھنچ کھنچ کر داعی کے پاس اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ داعی ان کو تلاش نہیں کرتا بلکہ یہ داعی کو خود تلاش کر لیتے ہیں۔ یہ پیاسے ہوتے ہیں اس وجہ سے یہ نہیں چاہتے کہ دریا ان کے پاس جائے بلکہ دشت و جبل کو طے کر کے یہ خود چشمہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ ان کی فطرت کا شفاف روغن منتظر اس کے کہ اس کو آگ چھوئے، بھڑکنے کے لیے مستعد ہوتا ہے اس وجہ سے دیا سلائی کے دیکھتے ہی جل اٹھتا ہے۔ یہ معجزے اور کرشمے نہیں طلب کرتے۔ نام و نسب اور شجرہ نہیں دریافت کرتے، لاطائل بحثیں اور حجتیں نہیں کھڑی کرتے، صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ جس بات کے لیے پکار رہا ہے وہ حق ہے یا نہیں اور اسی راہ حق پر وہ خود بھی گامزن ہے یا نہیں؟ اگر اس پہلو سے ان کا

اطمینان ہوگیا تو وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ آئندہ کے موہوم خطرات کی بنا پر آج کی ایک واضح حقیقت کو نہیں جھٹلاتے۔ وہ اس بات پر اطمینان رکھتے ہیں کہ جس عقل سے آج حق و باطل میں امتیاز کر کے وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں وہ عقل کل بھی ان کے پاس حق و باطل میں امتیاز کے لیے موجود ہوگی۔ اگر وہ دیکھیں گے کہ کسی مرحلہ میں داعی کی راہ حق کی شاہراہ سے منحرف ہو رہی ہے تو وہیں سے اس سے کٹ کر اپنی منزل کھوٹی کیے بغیر، وہ شاہراہ حق پر اپنا سفر شروع کر دیں گے۔

۲۔ دعوت حق کے قبول کرنے والوں کا دوسرا طبقہ متبعین باحسان کا طبقہ ہے۔ اس سے مراد وہ گروہ ہے جو سابقین اولین کو دیکھ کر حق کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ لوگ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے سابقین اولین کے درجہ کے نہیں ہوتے اس وجہ سے اپنی ذاتی تحریک (Initiative) سے کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے اور کسی نئی راہ میں چلنے کے لیے پہل کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ان لوگوں کے اندر قیادت کی صلاحیت نہیں ہوتی اس وجہ سے دعوت حق کی عقلی اور استدلالی قوت سے زیادہ اس کو قبول کرنے والے پیشرووں کی ہمت و جرأت ان کو متاثر کرتی ہے۔ یہ جب دیکھتے ہیں کہ کوئی دعوت حق اٹھی ہے اس کو کچھ لوگوں نے ہمت کر کے قبول کر لیا ہے، اس کو وہ لے کر آگے بڑھ رہے ہیں اور اس کو دنیا میں برپا کرنے کے لیے سارے خطرات جھیل رہے ہیں اور آئندہ جھیلنے کو تیار ہیں تو یہ منظر ان کے دل کو متاثر کرتا ہے اور وہ بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی ہمت و قوت کو آزماتے ہیں۔ ان لوگوں کی استعداد میں مختلف درجہ کی اور ان کی رکاوٹیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں اس وجہ سے اس کشمکش میں کچھ عرصہ لگ جاتا ہے لیکن داعیان حق کی لگاتار جد و جہد اور پیش آنے والی مشکلات میں ان کا صبر و استقلال دیکھتے دیکھتے بالآخر ان کے دلوں کا زنگ بھی صاف ہو جاتا ہے اور وہ ہمت کر کے یکے بعد دیگرے باطل سے ٹوٹ ٹوٹ کر حق کی صف میں آ ملتے ہیں۔

یہ لوگ اگرچہ دعوت حق کا ساتھ سابقین اولین کی دیکھا دیکھی دیتے ہیں لیکن جب ساتھ دیتے ہیں

نو پورا ساتھ دیتے ہیں، کسی قسم کی کمزوری، ہچکچاہٹ، بزدلی، تھڑدے پن اور نفاق کا اظہار نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے صف اول کے نہ سہی لیکن صف دوم کے بہترین آدمی ہوتے ہیں۔ یہ اپنی خودی کے ضعف کی وجہ سے اپنے عہد کی جاہلیت سے متاثر اور مرعوب ضرور ہو جاتے ہیں لیکن ان کے اندر حق کا شعور مردہ نہیں ہو چکا ہوتا ہے اس وجہ سے نظام باطل کی گاڑی جب تک کھینچتے ہیں انقباض و تکدر کے ساتھ کھینچتے ہیں اور اپنے دل کی گہرائیوں میں حق کی حمیت محسوس کرتے رہتے ہیں نظام باطل سے ان کا یہ انقباض کبھی دب جاتا ہے، کبھی ابھر آتا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ وہ یک قلم معدوم ہو جائے۔ بلاشبہ اپنے ماحول سے لڑ کر اس کو بدلنے کی ہمت ان کے اندر نہیں ہوتی اس وجہ سے ان کو اپنے عہد کے نظام باطل پر قانع ہونا پڑتا ہے لیکن ان کی اس قناعت کی تہ میں ایک خلش دبی ہوئی ہوتی ہے جو اس وقت لازماً ابھر آتی ہے، جب ان کے سامنے کوئی دعوت حق آتی ہے۔ یہ خلش جب بڑھتے بڑھتے اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تو ہمت کر کے اس راہ میں وہ خود بھی چل کھڑے ہوتے ہیں جس راہ میں وہ دوسرے کچھ حق پرستوں کو گامزن دیکھتے ہیں چونکہ ان کا یہ آنا اپنے ارادہ سے ہوتا ہے نہ کہ کسی کے دباؤ سے اور چونکہ ان کا یہ اقدام ان کی حمیت کے تقاضے سے وجود میں آتا ہے نہ کہ کسی پوشیدہ خود غرضی کی تحریک سے اس وجہ سے عزم و بصیرت کا وہ زادراہ ان کے پاس موجود ہوتا ہے جو آئندہ مراحل و مشکلات میں ان کے ایمان کی حفاظت کرتا ہے اور کسی آزمائش سے ان کے پاؤں لڑکھڑانے نہیں دیتا۔

ان لوگوں کو حق کی طرف کھینچنے کے لیے داعی حق کو محنت اٹھانی پڑتی ہے۔ یہ لوگ، جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، نہ عقلی اعتبار ہی سے اتنے بلند ہوتے کہ حق کا پورا تصور بغیر عملی مثالوں کے ان کی گرفت میں آجائے اور نہ اخلاقی اعتبار ہی سے اتنے اونچے ہوتے کہ اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اگرچہ ان کے سایہ کے سوا کوئی بھی ان کے دہنے بائیں نہ ہو۔ ان کی ان دونوں کمزوریوں کی وجہ سے لازماً داعی کو ان کے ساتھ کچھ دنوں تک کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ

حق ان کے سامنے ایسی وضاحت کے ساتھ کھول دیا جائے کہ اس کا کوئی پہلو گنجلک اور مبہم نہ رہ جائے جو جو شبہات خود ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی دور کر دیا جائے اور جو شکوک دوسروں کے پیدا کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں حتی الامکان ان کو بھی دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہاں تک کہ عقلی اعتبار سے ان کا دل پوری طرح دعوت کی سچائی پر جم جائے۔ جب یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو ان کی اخلاقی جرأت کو شہ دینے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے سامنے عزم و ہمت کی مثالیں آئیں۔ یہ مثالیں ان کے دل کی قوت کو بڑھاتی ہیں۔ ان کے تردد اور جھجک کو دور کرتی ہیں۔ مخالف ماحول میں ان کو راہ حق پر چلنے کا طریقہ بتاتی ہیں یہاں تک کہ ان کی عقل اور ان کا ضمیر دونوں پوری طرح زندہ اور بیدار ہو جاتے ہیں اور پھر حسب توفیق الٰہی وہ راہ حق پر چلنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔

۳۔ ضعفاء اور منافقین کو ہم نے محض ظاہری مشابہت کی وجہ سے ایک ہی زمرہ میں رکھا ہے لیکن اپنی نیت و ارادہ کے اعتبار سے یہ دو الگ الگ جماعتیں ہیں اس وجہ سے ہم یہاں ان دونوں کی صفات و خصوصیات پر مختصراً علیٰحدہ علیٰحدہ بحث کریں گے۔

ضعفاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کو حق سمجھ کر اس کو قبول تو کر لیتے ہیں اور نیتہً اسی حق کے مطابق زندگی بھی بسر کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی قوت ارادی کمزور ہوتی ہے اس وجہ سے خلوص نیت کے باوجود راہ حق میں لڑکھڑاتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلتے ہیں۔ یہ لوگ بار بار گرتے اور اٹھتے ہیں لیکن ہر گرنے کے بعد ان کا اٹھنا راہ حق پر چلنے ہی کے لیے ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ گریں تو پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیں یا اٹھیں تو اٹھ کر حق کے بجائے باطل کی راہ پر ہی دوڑ پڑیں۔ یہ لوگ اپنی تقصیر کے معترف اور اس پر نادم و شرمسار ہوتے ہیں اور برابر توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ کرتے رہتے ہیں۔ ذہن اور نیت کے اعتبار سے یہ فروتر نہیں ہوتے اس وجہ سے ان میں بہتیرے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دعوت کے بالکل ابتدائی دور میں اس کو قبول کرنے کی ہمت کر لیتے ہیں لیکن آزمائش کے موقعوں پر ان کی قوت ارادی کا ضعف نمایاں ہوتا رہتا ہے اور شروع سے آخر تک یہ برابر تربیت اور اصلاح کے محتاج

رہتے ہیں۔ سورہ توبہ میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے:۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۰۲ توبہ)

اور دوسرے کچھ لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کے معترف ہیں کچھ نیک کام کرتے ہیں اور اس کے ساتھ دوسرے کچھ برے کام بھی ان سے ہو جاتے ہیں۔ توقع ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحیم

ان لوگوں کے اندر ہمت و استقامت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی قوت ارادی کے ضعف کے اسباب کی اچھی طرح تحقیق کر کے ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر اس ضعف کا سبب ذہنی اور عقلی ہے تو ان کو اللہ کی صفتوں، اس کی قدرتوں اور حکمتوں اور اس کے ان ضابطوں سے آگاہ کیا جائے جن کے مطابق وہ اپنی راہ میں چلنے والوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اگر اس میں طمع دنیا کو دخل ہے تو ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا عادی کیا جائے تاکہ یہ بیماری دور ہو۔ اگر جان کی محبت اور موت کا خوف غالب ہے تو ان پر موت کی قطعیت اور اہل حق کے لیے حسن عاقبت کا پہلو اچھی طرح واضح کیا جائے۔ یہ گروہ تعلیم و تربیت سے فائدہ ضرور اٹھاتا ہے اس وجہ سے اگرچہ قوت ارادی کی کمزوری کے باعث ان کی رفتار ترقی سست ہو لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی جگہ ہی پر جمے رہ جائیں اور تربیت سے کوئی فائدہ نہ حاصل کریں۔ انہی لوگوں کے بارہ میں ارشاد ہے: خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم۔

منافقین کا گروہ زبانی اقرار کے حد تک تو دعوت حق کا ساتھی ہوتا ہے لیکن ان کا دل باطل کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ محض کسی عارضی تاثر سے یہ حق کے ساتھ ہو جاتے ہیں پھر جب راہ حق کی صعوبتیں اور آزمائشیں سامنے آتی ہیں تو اپنی اس غلطی پر پچھتاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں لیکن محض جھوٹی شرم کی وجہ سے حق کے ساتھ مجبورانہ بندھے رہتے ہیں

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ حق کی طرف آتے ہی شرارت کے ارادہ سے ہیں تاکہ اہل حق کے کیمپ کے اندر گھس کر فساد کے مواقع تلاش کریں۔ محض دکھاوے کے لیے حق کے ہمدرد و ہوا خواہ بنجاتے ہیں حقیقت میں حق کے دشمنوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ حق کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھکر اس سے مرعوب ہوجاتے ہیں اور اپنے دنیاوی فوائد کی خاطر کچھ ظاہری لگاؤ اس کے ساتھ بھی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے بعض اور محرکات و اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ حق کا اظہار تو کردیتے ہیں اور ممکن حد تک اس بات کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ اس اظہار کو نباہتے رہیں لیکن قدم قدم پر ان کی غلطیاں اور شرارتیں حقیقت کے چہرے کو بے نقاب کرتی رہتی ہیں

ایک داعی حق کے کام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا گروہ یہی ہے۔ کھلے ہوئے مخالفین کی مختلف جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی دعوت حق کے لیے اس درجہ خطرناک نہیں ہے جس درجہ درپردہ مخالفت کرنے والے "ہمدردوں" کی یہ جماعت ہے۔ یہ اپنے بن کر بیگانوں کے مقصد کو پورا کرتے ہیں اور ایسی خوبی اور صفائی کے ساتھ پورا کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا اس خوبی اور صفائی کے ساتھ پورا نہیں کرسکتا۔ یہ داعی اور دعوت کے خلاف لوگوں میں بے شمار قسم کی غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں اور چونکہ اپنے سمجھے جاتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اخلاص و ہمدردی کے رنگ میں کہتے ہیں اس وجہ سے لوگ ان کے پھیلائے ہوئے فتنوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ جماعت کے درمیان ہمیشہ پھوٹ ڈالنے کے درپے رہتے ہیں اور ہر اس چنگاری کو دبا کر محفوظ رکھتے ہیں جس کو وقت پر ہوا دے کر اس سے فتنہ کی آگ بھڑکائی جاسکے۔ یہ جماعت کے اندر اس کے دشمنوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں، ان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اڈے بناتے ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ یہ حق کی خدمت کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ حق کے دشمنوں سے حق کی مخالفت کے ارادہ سے ساز باز رکھتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ وہ محض ہمدردی اور خیر خواہی کی نیت سے کررہے ہیں۔ ہر وہ بات جو اہل حق کے لیے حوصلہ شکن ہو ان کو دل سے بھاتی ہے اور اس کو شہرت دینے میں ان کو خاص مزہ آتا ہے۔ اس کے برعکس وہ ساری باتیں جو اہل حق کی ہمت افزائی کرنے والی ہوں ان کے لیے غم انگیز اور مایوس کن ہوتی ہیں۔ ان کو راہ حق میں ہر قدم پر خطرہ ہی خطرہ نظر آتا ہے اور جماعتی خیر خواہی کے

رنگ میں ان کی کوشش برابر یہ ہوتی ہے کہ ان خطرات کی ہیبت ہر دل کو اور بٹھا دیں۔ یہ اپنی بزدلی اور خست کو چھپانے کے لیے طرح طرح کی تدبیروں سے دوسروں کے جذبہ فیاضی و قربانی کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حق کے غلبہ کی طرف سے یہ ہمیشہ مایوس رہتے ہیں اور مستقبل کے پردوں میں ان کے نزدیک حق کے لیے مصیبت اور تباہی کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں۔ عملی اعتبار سے یہ لوگ محض صفر ہوتے ہیں اس وجہ سے جماعت کے اندر اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے بے ثبوت دعاوی جھوٹی قسموں اور چکنی چپڑی باتوں کو ذریعہ بناتے ہیں۔ حق کی ہر کامیابی کو یہ لوگ حاسدانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اگر خدانخواستہ اہل حق کو کوئی افتاد پیش آجائے تو اس سے ان کے دل کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔

یہ گروہ چونکہ سارا فساد قصد و ارادہ کے ساتھ پھیلاتا ہے اس وجہ سے اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت اس میں بہت کم ہوتی ہے۔ اس کے اندر سے اصلاح صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو محض کسی عارضی اور وقتی غفلت کی وجہ سے دوسروں کی منافقانہ سازشوں میں پڑ کر کوئی منافقانہ حرکت کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کے سامنے جب اصل حقیقت آتی ہے تو وہ ضرور اپنی غلطی پر نادم ہوتے ہیں اور اپنے رویہ کو درست بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جو شریر شرارت ہی کو کیش و مشرب بنا لیتے ہیں اور اپنے اس پیشہ میں پوری طرح ماہر و مشاق ہو جاتے ہیں وہ اصلاح کی ہر کوشش کو ناکام کر دیتے ہیں اور اپنے رویہ میں کوئی ادنیٰ تبدیلی بھی قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ ان لوگوں کے بارہ میں ایک داعی کے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ جماعت کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ جب تک ان کی تعلیم و تزکیہ کو جماعت کے تعلیم و تزکیہ کا ذریعہ بنا سکے اس وقت تک ان کو جماعت کے اندر گھلے ملے رہنے کی اجازت دے اور جب یہ مقصد پورا ہو جائے تو ان کو فوراً جماعت سے کاٹ کر علیحدہ کر دے اور کسی شکل میں بھی جماعت کے ساتھ ان کا کوئی رشتہ باقی نہ رہنے دے۔